تدوین حدیث

محاضرۂ چہارم

(حضرت مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی صدر شعبۂ دینیات جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن)

(۹)

آپس میں لاٹھیاں اور جوتے صرف اس لئے چل رہے تھے کہ رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے ہاتھ بھی تم نے کیوں نہیں اٹھایا یا امام ولا الضالین پر جب پہنچا تو اس پر نہیں کہ تم نے آمین کیوں نہ کہی کیونکہ آمین تو سب ہی کہتے ہیں، جھگڑا اس پر تھا کہ صرف خدا ہی کو تم نے آمین کا یہ لفظ کیوں سنایا، خدا کے بندے جو تمہارے دائیں بائیں کھڑے تھے ان کو بھی اس لفظ کے سننے کا موقعہ کیوں نہیں دیا مسلمانوں ہی کا ایک گروہ دوسرے گروہ کو مسلمانوں ہی کی مسجدوں سے نکال رہا تھا اس لئے نکال رہا تھا کہ امام نماز میں قرآن کے جس حصہ کو پڑھتا ہے تم نے اسے سنا کیوں؟ بجائے سننے کے تم بھی اسی کے دہرانے میں کیوں مشغول ہو گئے جب امام اپنی طرف سے اور تمہاری طرف سے پڑھ رہا تھا اور بات اسی حد تک ختم ہو جاتی تو سمجھا جا سکتا تھا کہ خیر ایک حد پر پہنچ کر وہ ختم ہو گئی لیکن قصہ تو یہاں تک دراز ہوا کہ مسلمانوں کی دنیا جن لوگوں نے جبراً ان سے چھینی تھی ان ہی کے سامنے بخوشی ورضا یہ اپنے دین کو لے کر بھی پہنچے جن کی عدالتوں میں پیٹ کے جھگڑوں کے لے جانے پر تو سمجھا جاتا تھا کہ مسلمان مجبور ہیں ان ہی عدالتوں کے حکام کے پاس وہ اللہ کی کتاب اور جن کتابوں میں ان کے رسول کی حدیثیں تھیں ان سب کتابوں کو لے کر حاضر ہوئے۔ یہ کہتے ہوئے حاضر ہوئے کہ آپ ہی بتائیے کہ ہم دونوں فریقوں میں ان کتابوں کے رو سے واقعی

مسلمان کون ہے، اور مسلمانوں کی مسجدوں کے استعمال کا قانونی حق کیسے حاصل ہے طیش کی آگ اور غصہ کے شعلوں میں ایمانی غیرت اور اسلامی حمیت کا سارا سرمایہ جل کر بھسم ہو چکا تھا ان فیصلوں پر خوشی کے شادیانے بجائے جاتے تھے جو اللہ اور رسول کے جھٹلانے والوں کی طرف سے کوئی فریق حاصل کرتا تھا اور ان ہی فیصلوں کی آڑ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول ماننے والی امت کی ایک جماعت ان عبادت گاہوں سے دھکیلی جا رہی تھی جو نہ عیسائیوں کے گرجے تھے۔ اور نہ یہودیوں کی سنی گاگ، بلکہ یہ کیسا دلخراش منظر تھا کہ مسلمانوں کی مسجدوں سے مسلمانوں ہی کو نکالا جا رہا تھا اس لئے نکالا جا رہا تھا کہ جو مسلمان نہیں تھے ان ہی حکام سے ان کے نکالنے کا فیصلہ خود مسلمانوں نے مسلمانوں کے لئے حاصل کیا تھا۔

سوال یہی ہے کہ زیادہ دن نہیں آج سے تیس چالیس سال پہلے غیروں کی تالیوں اور اپنوں کی گالیوں کے درمیان رسوائیوں اور برسر بازار فضیحتوں کے مذکورہ بالا قصے جن کی آگ نصف صدی کے قریب قریب ہندوستان کے مختلف گوشوں کے تقریباً ہر اس گھر میں بھڑکی ہوئی تھی جس میں قرآن کی پڑھنے والی اور رسول کو ماننے والی امت آباد تھی یہی میں پوچھتا ہوں کہ ارادی مخالفتوں کی اس آگ کے سلگانے میں کام لینے والوں نے کس چیز سے کام لیا تھا؟ ان اختلافات کے سوا آپ ہی بتائیے اور بھی کوئی چیز تھی جن کا ان حدیثوں کے علم وعدم کی وجہ سے پیدا ہو جانا ایک قدرتی بات تھی جو پیغمبر کی ہی طرف سے عمومی رنگ میں اس لئے نہیں پھیلائی گئی تھیں کہ ان کے مطالبہ اور گرفت میں نرمی اسی تدبیر سے پیدا ہو سکتی تھی اور اب میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ حضرت ابوبکر صدیق نے "فلا تحدثوا عن رسول اللہ شیئاً" (رسول اللہ کی طرف منسوب کر کے کوئی بات نہ بیان کیا کرو) اس کا مطلب بھی مذکورہ بالا تفصیلات کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس کے سوا اور کیا سمجھا جائے کہ ارادی مخالفتوں کو پیدا کرنے کے لئے حدیثوں کے بیان کرنے سے وہ منع فرما رہے ہیں ورنہ جیسا کہ گذر چکا روایت حدیث سے مطلقاً ممانعت کی تجویز اگر ہم اس کو قرار دیں گے تو خود ان کے طرز عمل صحابہ کے طرز عمل بلکہ خود رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کے طرز عمل کے خلاف العیاذ باللہ یہ تجویز ہوگی بلکہ آگے انھوں نے جو یہ فرمایا کہ جب تم سے کوئی بات پوچھے کہ تو کہہ دیا کرو کہ ہمارے اور تمہارے درمیان اللہ کی کتاب ہے" اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان کی اس تجویز کا تعلق ان ہی لوگوں سے ہے جو ارادی مخالفتوں کی آگ بھڑکانے کے لئے حدیثوں کو ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر نکالتے اور پھیلاتے ہیں انھوں نے اسی لئے قاعدہ ہی بنادیا کہ جب کبھی اختلافی اغراض کے لئے حدیثوں کے متعلق کوئی پوچھ گچھ، کنج وکاؤ شروع کرے تو اعلان کردینا چاہئے کہ مسلمانوں کو اتفاقی نقطہ پر سمٹے رہنے کے لئے وہی باتیں کافی ہیں جنہیں "البیات" کی شکل میں قرآن نے محفوظ کردیا ہے، حاصل یہی ہوا کہ قرآن کے "البیات" پر متحد ہوجانے کے بعد ضرورت نہیں ہے کہ غیر بنیاتی مسائل میں بھی ایک ہی نقطہ پر مسلمانوں کو جمع کرنے کی فضول کوشش کی جائے کہ اس کوشش سے بجائے ختم ہونے کے اختلاف بڑھے گا۔ بڑھتا ہی چلا جائے گا جیسا کہ حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا کہ مسلمانوں کی آئندہ نسلیں تم سے زیادہ اختلاف میں سخت ہوجائیں گی بہرحال دین کے غیر بیناتی حصے کے متعلق صحیح مسلک یہی ہے اور اسی کو ہونا چاہئے کہ باہم مسلمان اس سلسلہ میں ایک دوسرے کے اختلاف کے برداشت کرنے کی صلاحیت اور گنجائش اپنے اندر پیدا کریں، قرآن کے قرآنی اختلاف کو ذریعہ بنا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عہد میں اسی گنجائش کے پیدا کرنے کی مشق صحابہ سے کرائی اور ابو بکر صدیقؓ نے اپنی مذکورہ بالا تجویز کو پیش کرتے ہوئے میرا خیال یہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسی مبارک منشا کی تعمیل پر ان مسلمانوں کو آمادہ کرنا چاہا تھا جو ان کے زمانہ میں موجود تھے اپنے عہد کے لوگوں کو بھی انھوں نے اسی حکم کی تعمیل کی طرف توجہ دلائی اور خبر احاد والی روایتوں کی بنیاد پر اختلاف پیدا ہونے کی صورت میں فساد اور فتنے سے بچنے کی ایک دوامی تدبیر یہ بتادی کہ جب وہ پیدا ہو یا اس کے پیدا کرنے کی کوشش کی جائے تو اس زہر کے ازالہ کی یہی صورت ہے کہ قرآن کے "البینات" پر سمٹ جانے اور جمع ہونے کی دعوت مسلمانوں کو دی جائے، دین کے غیر بیناتی مسائل کے

ناگزیر قدرتی اختلافات، ارادی و اختیاری جنگ و جدال کی شکل اختیار نہ کرنے پائیں، اس خطرے کے انسداد کی واحد تدبیر یہی ہے ورنہ "البینات" سے ہٹ کر "غیر بنیادی مسائل" میں بھی ایک ہی مسلک کا پابند مسلمانوں کو بنانے کا ارادہ جب کبھی کیا جائے گا در حقیقت یہ اجماع و اتفاق کی دعوت نہ ہوگی بلکہ مسلمانوں کو مختلف ٹکڑیوں میں بانٹنے کی طرف خطرناک اقدام ہوگا، پس سیدھا، صاف، روشن راستہ "لیلها ونهارها سواء" کا یہی ہے کہ البینات میں جو ایک ہیں وہ بہر حال ایک ہیں خواہ "غیر بنیادی مسائل" میں وہ جس حد تک مختلف ہوں اس اختلاف سے ان کا اتحاد قطعاً متاثر نہیں ہوتا۔ اختلاف کے ساتھ اتحاد، اور اتحاد کے ساتھ اختلاف کی یہی حکیمانہ درمیانی راہ تھی، جس کی عملی مشق کا موقعہ مسلمانوں کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں بھی ملا، اور ابوبکر صدیق رض کے زمانہ میں قریب تھا کہ راہ سے مسلمان ہٹ جائیں لیکن پُر ہونے سے پہلے فتنے کے اس سرچشمہ پر ہمیشہ کے لئے آپ نے ایک ایسی ڈاٹ لگا دی کہ وقت پر اگر اس کی خبر نہ لی جاتی تو بقول سعدی ہاتھیوں سے بھی اس سیلاب کا روکنا ناممکن تھا۔ صدیق اکبر رض نے اپنے زمانے میں بھی لوگوں کو اسی مسلک پر قائم رکھنے کی کوشش کی، اور آئندہ رہتی دنیا تک کے لئے آپ نے اختلاف کے ساتھ اتحاد کو باقی رکھنے کا یہ کارگر بے خطا نسخہ مسلمانوں کے .. حوالہ فرمایا کہ اتحاد کا معیار ہمیشہ دین کے بنیادی حصہ کو رکھا جائے جس کی تعبیر حضرت والا نے "کتاب اللہ" کے لفظ سے فرمائی،

اور جیسا کہ شروع میں میں نے عرض کیا تھا کہ اپنی تیرہ ساڑھے تیرہ سو سال کی طویل تاریخ میں مسلمانوں کی وسیع و عریض امت جو کروڑہا کروڑ کی تعداد میں دنیا کے اکثر حصوں میں پھیلی ہوئی ہے، دین کے غیر بنیادی حصہ میں اختلافات رکھتے ہوئے بھی ان کی اکثریت عظیمہ اہل السنت والجماعت کی ایک ہی جماعت کی شکل میں جو پائی جا رہی ہے تو یہ اسی حکیمانہ تدبیر کا نتیجہ ہے۔ اور جب کبھی غیر دینی یا اندرونی یا بیرونی مؤثرات کے دباؤ نے مسلمانوں کو

؎ گلستان سعدی کے مشہور قطعہ کے شعر "سرچشمہ باید گرفتن بہ بیل * چو پر شد نہ شاید گرفتن بہ پیل" کی طرف اشارہ

اس راہ سے منحرف کیا ہے خود ہی صدیقی دعوت حسن کا حاصل یہی ہے کہ

"ہمارے اور تمہارے درمیان اشتراک کا نقطہ اللہ کی کتاب ہے آؤ ہم سب اس کی حلال کی ہوئی باتوں کے حلال ہونے پر اور حرام کی ہوئی باتوں کے حرام ہونے پر جمع ہو جائیں ہمیشہ کام آئی ہے، اور مسلمانوں کی دینی وحدت کی محافظ بن گئی پچھلے دنوں ہندوستان کے مسلمانوں میں بھی غیر بنیادی مسائل کے اختلافات شروع ہوئے اور بعض لوگوں میں اس کا جوش پیدا ہوا کہ اختلافی حدیثوں سے پیدا ہونے والے نتائج میں جن پہلوؤں کو اپنی معلومات کی بنیاد وہ زیادہ بہتر اور اولیٰ سمجھتے تھے ان ہی پہلوؤں کا پابند ہندوستان کے ہر مسلمان کو بنادیں لیکن پوری صدی بھی گذرنے نہ پائی تھی کہ ان کا سارا جوش ٹھنڈا پڑ گیا، اور جہاں تک میں سمجھتا ہوں کہ "البینات" پر متحد ہو جانے کے بعد غیر بنیادی مسائل کے اختلافات کے برداشت کرنے کی گنجائش اب ان میں بھی پیدا ہو چکی ہے اب وہ بھی کسی ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنے میں کوئی مضائقہ نہیں محسوس کرتے جو آمین زور سے نہیں کہتا یا رکوع میں جاتے اور سر اٹھاتے ہوئے ہاتھ نہیں اٹھاتا حقیقت ان پر واضح ہو چکی ہے بطور نام نہاد کے اپنے مسلک کو ایک خاص نام سے موسوم کر کے جی رہے ہیں شاید یہ نام بھی زیادہ دن تک باقی نہ رہے گا۔[1]

---

[1] پچھلے چند دنوں سے دیکھا جا رہا ہے کہ نام پر بھی اتفاق ان میں باقی نہیں رہا ہے، بعض اپنے آپ کو بجائے اہل حدیث، یا عامل بالحدیث یا محمدی وغیرہ الفاظ کے کبھی "شافعی" کبھی "حنبلی" وغیرہ بھی کہنے لگے ہیں "حنبلی" ہو جانے کے بعد ہی وہی بات سامنے آ جائے گی جو پہلے سے چلی آ رہی تھی، میں عرض کر چکا ہوں کہ لفظ "حنبلی" کے ساتھ حنفی یا شافعی وغیرہ الفاظ کے ساتھ مسلمانوں کے تعلق کا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے کہ سارے حنفی و شافعی وغیرہ مسلمانوں میں جس کی شخصیت قدسیہ "غوثیت کبریٰ" کے مقام سے سرفراز سمجھی جاتی ہے اور مانا جاتا ہے کہ جن کا قدم مبارک "علی رقبۃ کل ولی" ہے یعنی سیدنا الشیخ عبد القادر الجیلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہ "حنبلی" ہیں۔ اس موقع پر ایک لطیفہ کا بار بار خیال آ رہا ہے، میں نے براہ راست بانی ندوۃ العلماء حضرت مولانا محمد علی مونگیری رحمۃ اللہ علیہ سے یہ روایت سنی ہے کہ حضرت کے پیر و مرشد مولانا شاہ فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی تغمدہ اللہ بغفرانہ کی خدمت میں فرد اہل حدیث کے ایک ممتاز و نمایاں عالم (بقیہ حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

اس میں شک نہیں کہ ایک مختصر سی بات کے لئے غیر معمولی طور پر مجھے طول کلامی سے کام لینا پڑا لیکن سچ پوچھئے تو دیکھنے کی حد تک ابوبکر صدیقؓ کے مذکورہ بالا الفاظ مختصر نظر آتے ہیں لیکن سمجھنے والے سمجھ سکتے ہیں کہ "تدوین حدیث" کی تاریخ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ خدمت ایک مستقل باب کی حیثیت رکھتی ہے عہد صدیقی سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کے متعلق صرف دو مسئلے اہمیت رکھتے تھے، یعنی ایک تو یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کوئی غلط بات منسوب نہ ہو جائے۔ یہ تو پہلی خدمت تھی جس کی نگرانی ہر مسلمان کے فرائض میں داخل تھی اسی کے ساتھ دوسری اہم خدمت جیسا کہ بہ تفصیل بیان کر چکا ہوں یہ تھی کہ ان حدیثوں کی اشاعت میں چاہا جاتا تھا کہ عمومیت کا ایسا رنگ نہ پیدا ہونے پائے جس کے بعد نرمی اور مسامحت کی وہ کیفیت ان میں باقی نہیں رہ سکتی تھی جسے آنحضرت

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) جن کا حضرت نے نام بھی لیا تھا، غالباً مولانا ابراہیم آروی مرحوم، وہیں حاضر ہوئے مولانا ابراہیم سے جب ملاقات ہوئی تو حضرت گنج مرادآبادی نے پوچھا کہ مولوی صاحب آپ عامل بالحدیث ہیں بولے جی ہاں الحمد للہ، مولانا نے پوچھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سونے کے وقت کون سی دعا پڑھتے تھے مولوی صاحب نے کہا کہ اس وقت یاد نہیں ہے پوچھا کہ گھر سے نکلتے وقت کیا پڑھتے تھے بولے وہ بھی یاد نہیں ہے الغرض یوں ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مختلف اوقات اور مقامات میں جو دعائیں پڑھا کرتے تھے جیسے کہ اکثر مولویوں کو عموماً یاد نہیں ہوتیں مولوی ابراہیم بیچارے کو بھی یاد نہ تھیں تب مولانا نے مولوی ابراہیم کو خطاب کر کے کہنا شروع کیا کیوں مولانا! آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صرف اختلافی حدیثوں کو یاد کیا ہے لیکن جن حدیثوں کے متعلق کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے ان کے یاد کرنے کی ضرورت کو عمل بالحدیث کے لئے آپ نے ضروری خیال نہ کیا۔ کیا اسی کا نام عمل بالحدیث ہے کہتے ہیں کہ مولوی ابراہیم جیب سے گئے مولانا محمد علی مرحوم یہ بھی بیان فرماتے تھے کہ مدینہ منورہ کی حاضری کے زمانہ میں مولوی ابراہیم نے ایک خواب دیکھا اور اسی خواب کے بعد حنفی مسلک پر واپس ہو گئے تھے شاید اس مضمون کا ایک مکتوب بھی مولوی ابراہیم کا لکھا ہوا حضرت مولانا محمد علی کے پاس موجود تھا۔

صلی اللہ علیہ وسلم ان حدیثوں کے مطالبا اور گرفت میں بہرحال باقی رکھنا چاہتے تھے ہر شخص تک ان حدیثوں کو نہ پہنچانا، مکتوبہ مجموعے جو آپ کے زمانے میں لکھے جا چکے تھے ان کا ضائع کرا دینا عمومی طور پر آئندہ ان حدیثوں کے لکھنے سے لوگوں کو منع کر دینا۔ ابوبکر صدیق کا اپنے ہاتھ سے جمع کی ہوئی حدیثوں کو نذر آتش کر دینا، اور اس کے سوا اس سلسلہ میں جن دوسرے واقعات کا ذکر کیا گیا ہے، بتا چکا ہوں کہ غرض و غایت سب کی یہی تھی اور عہد صدیقی سے ان ہی حدیثوں کے متعلق مسلمانوں کے ذمہ یہ تیسری خدمت سپرد ہوئی کہ مسلمانوں کو لڑانے بھڑانے، ان کی ایک ٹولی کو دوسری ٹولی سے جدا کرنے کا ذریعہ ان حدیثوں کو نہ بنایا جائے، بالفاظ دیگر گویا سمجھنا چاہیے کہ حضرت صدیق اکبرؓ نے مسلمانوں کو اس کا ذمہ دار بنایا کہ خبر آحاد کی حدیثوں میں انفرادی معلومات کے لحاظ سے قدرتاً جو اختلافات رہ گئے ہیں ان کو ارادی و اختیاری مخالفتوں کی آگ بھڑکانے کا ایندھن اگر کوئی بنانا چاہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کے اس غلط استعمال سے اس کو روکا جائے۔ اس میں شک نہیں عملی طور پر تدوین حدیث کی تاریخ میں حضرت ابوبکرؓ کی اس خدمت کا اور اس کی قدر و قیمت کا لوگوں نے بہت کم تذکرہ کیا ہے بلکہ جہاں تک میں سمجھتا ہوں ابوبکر صدیقؓ کی طرف مذکورہ بالا روایت جو منسوب کی گئی ہے ممکن ہے کہ محدثین کی حد تک تو تاریخ حدیث کے پڑھنے والوں کے سامنے دوسری روایتوں کے ساتھ یہ روایت بھی گذرتی ہی ہوگی لیکن اس کا واقعی کیا مطلب ہے، ٹھہر کر سوچنے کی ضرورت شاید ہی کسی نے محسوس کی ہو لیکن میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ عملاً ابوبکر صدیقؓ کی عاید کی ہوئی اس ذمہ داری کو صحابہ نے قبول کیا اور بعد کو بھی تقریباً ہر زمانہ میں مسلمانوں کو اس باب میں ہم صحابہ کرام کی اس روش کا پابند پاتے ہیں۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ صحابہ کے جو مختلف معلومات ان حدیثوں کے متعلق تھے، اور ان میں ہر ایک اسی پر عامل تھا جو وہ جانتا تھا لیکن عملی اختلاف کے باوجود آج تک کوئی ایسا واقعہ منقول نہیں ہے کہ ان اختلافات کی وجہ سے کسی صحابی نے دوسرے صحابی کے پیچھے نماز پڑھنے سے انکار کیا ہو یا ان اختلافات کی بنیاد پر اپنے دین کو کسی صحابی نے دوسرے کے

دین سے الگ قرار دیا ہو، بلکہ جہاں تک میں جانتا ہوں شاید ہی کسی صحابی نے اپنی دینی زندگی کو دوسرے صحابی کی دینی زندگی سے افضل و برتر خیال کیا ہو کم از کم کوئی روایت مجھ تک تو ایسی نہیں پہنچی ہے صحابہ کا یہی طرزِ عمل تو تھا، جسے ان کے فیض یافتوں یعنی تابعین نے دیکھا تھا۔ کچھ دیر پہلے حضرت قاسم بن محمد کا یہ فتویٰ جو میں نے نقل کیا تھا کہ پوچھنے والے نے امام کے پیچھے قرأت کے متعلق جب حضرت سے سوال کیا تو آپ نے جواب میں فرمایا

"کہ اگر پڑھو گے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیوں میں اس کا نمونہ موجود ہے،

اور نہ پڑھو گے تو اس کا نمونہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیوں میں تم کو ملے گا۔

اپنی حکمرانی کے زمانہ میں سلف صالح کے جن بزرگوں اور ان بزرگوں کے علم و تحقیق پر بھروسہ کر کے دین کے غیر بنیادی شعبہ میں جن پہلوؤں کو ہندوستان کے مسلمانوں نے افضل و اولیٰ قرار دے کر غیروں کے سامنے اس کفرستان میں اپنی مذہبی نظام کی وحدت و یکرنگی کے دلکش سماں کو سیکڑوں سال تک محفوظ اور قایم رکھا تھا مگر زوال حکومت کے ساتھ ہی نہ معلوم کن اسباب و موثرات کے تحت اچانک بعضوں میں یہ خیال پیدا ہوا کہ ان کا علم اور ان کی تحقیق سلف کے ان بزرگوں کے علم و تحقیق سے زیادہ بہتر اور صحیح ہے جن پر مسلمانانِ ہند نسلاً بعد نسل بھروسہ کرتے چلے آتے تھے اس خیال کے زیر اثر عام مسلمانوں سے پھوٹ کر اگر اپنے علم اور اپنی تحقیق کے وہ صرف پیرو بن جاتے تو شاید شکایت کرنے والوں کو ان سے کوئی شکایت نہ ہوتی لیکن وہ تو آگے بڑھے اور عہد صحابہ و تابعین کے تربیت یافتہ دماغوں، اسی عہد کے تقویٰ و طہارت سے منور قلوب کے فیصلوں سے بدکا بدکا اور بھڑکا بھڑکا کر وہ اپنے عاقبت کے پیدا کئے ہوئے نتائج کی تقلید کی دعوت احیاءِ سنت یا اتباعِ سنت کے نام سے اس ملک میں مسلمانوں کو دینے لگے، قرآن جس فعل کو جرم ٹھہرا چکا تھا اور مختلف الفاظ میں اس کے حرام ہونے کا قطعی اعلان کر رہا تھا، تفریق بین المسلمین کا یہ فعل ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان کے نزدیک نہ جرم ہے اور نہ کوئی ایسا کام ہے جو نص قطعی کے رو سے حرام قرار پا چکا تھا۔

وہ کریں جرم کا ارتکاب صرف اسی لئے کر رہے تھے کہ مسلمانوں کو ایسی باتوں کے پابند بنانے میں شاید وہ کامیاب ہو جائیں جن کی پابندی سے انحراف خود ان کے نزدیک بھی نہ جرم تھا اور نہ گناہ۔ ان جائز پہلوؤں میں جن کا ہر پہلو شرعی حدود سے باہر نہ تھا زیادہ سے زیادہ وہ پہلو بہتر اور افضل تھا جس کے لئے وہ یہ سب کچھ کر رہے تھے۔

اللہ اللہ خبرِ احاد کی حدیثوں کے اختلاف کا نقد جو نرم تھا موم سے بھی زیادہ نرم تھا ان میں بھی وہ شدت بھری گئی ایسی سختی اور ایسی شدت کہ پتھر اور لوہا بھی اس کے سامنے شاید پانی نظر آتا تھا، اختلافی حدیثوں کا یہی سرمایہ ان کا گویا اسلحہ خانہ تھا۔ پیغمبر کی ایک ایک حدیث حدیث نہیں بلکہ حرب کا آلہ اور ضرب کے وزار بن چکی تھی وہ اس پر ان ہی حدیثوں میں سے کسی حدیث کو "السکین" (چھری)، بنا کر وار کرتا تھا اور یہ اس پر حبل ڈوری کی شکل میں نیز یہی کمند پھینکتا تھا اور اپنی اسی جنگ میں کبھی اس صف سے "ظفر مبین" کا شادیانہ بجایا جاتا تھا، اور کبھی اس صف سے "فتح مبین" کا نرسنگھا پھونکا جاتا تھا۔ تحقیق کے بعد ہمیشہ یہی ثابت ہوتا تھا کہ ہر فریق جنگ کے پہلے گھنٹے پر جس مقام پر تھا وہاں سے نہ ایک قدم آگے بڑھا ہے اور نہ پیچھے ہٹا ہے، بلکہ نہ آگے بڑھ سکتا ہے اور نہ پیچھے ہٹ سکتا ہے کہ ہر ایک ہتھیاروں کے نہ ختم ہونے والے لامحدود ذخیرے پر قابض تھا۔

بہرحال کچھ بھی ہو اس سارے طول و طویل قصے کے ذکر سے میری غرض یہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کے ساتھ ان گستاخانہ بازی گریوں کو دیکھتے ہوئے اللہ کا بندہ جھگڑنے والوں کے اس گروہ کو اگر یہ مشورہ دے کہ جب تمہارا یہی حال ہے تو ایسی مادہ میں حدیثوں کا بیان کرنا ہی ترک کر دو، تو کیا مشورے کے ان الفاظ کا یہ مطلب لینا صحیح ہے کہ مشورہ دینے والا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں کو دنیا سے ناپید کرنا چاہتا۔

[illegible] پچھلی صدی میں جو رسالے اور کتابیں اس سلسلہ میں شائع ہوئی ہیں ان ہی کے ناموں کی طرف یہ اشارہ نہیں ہے بلکہ واقعہ ان رسالوں میں ایک رسالے کا نام "السکین" (چھری) تھا، جو مسئلہ اس کے کھولا تھا اسی مسئلہ میں دوسرا رسالہ حبل المتین تھا، باقی الظفر المبین اور الفتح المبین تو اس سلسلے کی مشہور [illegible] ایک بڑی طویل تاریخی داستان ہے۔

یا پیغمبر نے اپنی جن حدیثوں سے استفادے کی راہیں امت پر کھلی رکھی ہیں ان کے فوائد سے امت کو محروم کرنا چاہتا ہے۔

کن لوگوں سے کہہ رہا ہے، کیوں کہہ رہا ہے، کن حالات میں کہہ رہا ہے، گفتگو کی ان تمام ماحولی خصوصیتوں سے قطع نظر کر کے مذکورہ بالا دعوی گفتگو کے الفاظ، صرف الفاظ سے تہمت تراشی کی میرے خیال میں یہ بدترین مثال ہوگی۔

پس حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحابہ کرام کو اس واقعہ سے مطلع کرنے کے بعد یعنی تم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیثیں بیان کرتے ہو، اور باہم ایک دوسرے سے اختلاف کر رہے ہو، تمہارے بعد جو لوگ آئیں گے، وہ ان اختلافات میں اور زیادہ سخت ہو جائیں گے، ان الفاظ کے ساتھ جو مشورہ دیا تھا کہ

فلا تحدثوا من رسول اللہ شیئا — تم لوگ رسول اللہ کی طرف منسوب کر کے کوئی بات نہ بیان کیا کرو۔[1]

تو صرف ان الفاظ سے یہ نتیجہ نکالنا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کلیتہً حدیثوں کے بیان کرنے سے صحابہ کو روک دینا چاہا خود ہی سوچئے کہ بہتان وافترار کے سوا اور بھی کچھ ہے؟ صاف اور واضح مطلب اس کا وہی ہے اور وہی ہو سکتا ہے کہ مخالفانہ اغراض کو مواد دینے کے لئے حدیثوں کے بیان کرنے سے لوگوں کو وہ روکنا چاہتے تھے۔ غرض حضرت کی یہی معلوم ہوتی ہے کہ ان حدیثوں کا صحیح استعمال یہ نہیں ہے کہ ان کے متعلق جس شخص کے جو معلومات و تاثرات ہیں خواہ مخواہ ان کی پابندی کا مطالبہ اپنے معلومات کے زور پر دوسروں سے کرے بلکہ صحیح مسلک

---

[1] فلا تحدثوا کی ابتدا میں جو ف کا حرف ہے عربی زبان کی معمولی واقفیت رکھنے والوں سے یہ بات پوشیدہ نہ ہوگی کہ یہ ترتیب پر دلالت کرتا ہے یعنی اس سے پہلے جو بات بیان کی جاتی ہے اسی کے نتیجہ کا اظہار جب کرنا چاہتے ہیں تو اس کے شروع میں ف کے حرف کا اضافہ کرتے ہیں پس صاف مطلب اس کا یہی ہے کہ ان کا یہ حکم سیاق کے ساتھ مربوط ہے جس سے لوگوں کو آپ نے مطلع کیا تھا، وہ واقعہ کیا تھا وہی کہ حدیثوں کو ابتدائی مخالفین کا ذریعہ بنا سلسلہ بنانے لگے ہیں اگر آج ہی اس کی روک تھام نہ کی گئی تو آئندہ اس کے نتائج زیادہ سخت اور زیادہ ہولناک شکلوں میں سامنے آئیں گے ۱۲

ان اختلافات کے متعلق جو اس قسم کی حدیثوں میں پائے جاتے ہیں یا فقہ کے سلسلے میں اجتہادی نتائج کے اندر جو اختلافات پیدا ہو جاتے ہیں مسلمانوں کو اس قسم اختلافات کے متعلق چاہئے کہ ایک دوسرے کے اختلافات کی برداشت کی صلاحیت اپنے اندر پیدا کریں دین کے اس غیر مبادی حصہ کے اختلافات کے بارے میں مسلمانوں کو ایک ہی نقطہ پر جمع کرنے کی کوشش غلط کوشش ہے اس کوشش کے لئے ہمارے پاس "البینات" کے احکام و مسائل ہیں ان کے متعلق کسی مسلمان میں خدانخواستہ کسی قسم کا انحراف اگر محسوس ہو تو بلا شبہ اس وقت فرض ہو جاتا ہے کہ اس کے سامنے قرآن کی آیتیں تلاوت کی جائیں، نصوص صریحہ کو پیش کر کے اس انحراف اور اختلاف سے اس کو روکا جائے کہ ان میں اختلاف کی گنجائش ہی نہیں چھوڑی گئی ہے، دین کا یہی وہ حصہ ہے قرآن میں جس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے خبر دی گئی ہے کہ "بینات" کے ہوتے ہوئے گذشتہ قومیں جدا جدا ہو کر آپس میں مختلف ہو گئی ہیں جس کا حاصل یہی معلوم ہوتا ہے کہ دین کے اس حصہ کو اتنا واضح اور روشن شکل میں رکھا گیا ہے کہ عام و خاص اعلیٰ و ادنیٰ، عالم و جاہل سب ہی اس پر متفق ہو کر ایک ہو سکتے ہیں "البینات" کے ہوتے ہوئے یہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ دین میں ایسی کوئی چیز نہیں ہے جس پر ہم سب اپنے اختلافات کو ختم کر کے سمٹ جاتے ہیں تو سمجھتا ہوں کہ یہی مطلب حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ان الفاظ کا بھی ہے جو آخر میں فرمایا کہ یعنی

فمن سالکم فقولوا بیننا و بینکم کتاب اللہ فاحلوا حلالہ وحرموا حرامہ	پھر تم سے اگر کوئی پوچھے تو کہہ دیا کرو، کہ ہمارے تمہارے درمیان دا شتراک کا نقطہ، اللہ کی کتاب ہے بس چاہئے کہ اس کتاب سے جن چیزوں کو حلال کیا اس کو حلال قرار دو اور جن باتوں کو حرام ٹھہرایا ان کو حرام ٹھہرا لو۔
(تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۲)	

تابعین کے بعد بھی مسلمانوں کو ہم اسی مسلک کا پابند پاتے ہیں، معلومات کا اختلاف صرف علم تک

محدود تھا، لیکن "عمل" میں اختلاف کا کوئی اثر نظر نہیں آتا۔ صرف دوسری صدی ہجری کے وسط میں حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے بعض اہم اصلاحی اقدامات کے اعلان کے ماننے والوں میں سے بعضوں کے اندر پھر ان اختلافات کی کچھ لہریں اٹھی تھیں لیکن زہر کے ساتھ ساتھ سیدنا امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی شکل میں ایک تریاقی وجود اسلام کو عطا ہوا، آپ نے اپنی بے لاگ صداقت، بے تحاشہ علم، مستحکم تقویٰ کے زور سے ان اٹھنے والی لہروں کو اتنی قوت سے دبا دیا کہ پھر صحیح معنوں میں ان اختلافات کو پھلنے پھولنے کا موقعہ مسلمانوں کی عمومیت میں کبھی نہ ملا۔ بعض پیشہ ور مولوی ان میں ارادی مخالفتوں اور مخاصمتوں کا رنگ اپنے خاص اغراض کے تحت بھرنا بھی چاہتے تھے تو ان کے تعلیمی حلقوں سے آگے اس کا اثر عام مسلمانوں تک بحمداللہ کبھی نہیں پہنچا ممکن ہے کہ میرے اس خیال سے بعضوں کو اختلاف ہو لیکن میرا یہ ذاتی خیال ہے کہ طبقۂ صوفیہ سے لوگوں کو اور جتنی بھی شکایتیں ہوں اس وقت ان سے بحث نہیں ہے۔ لیکن انصاف کی یہ بات ہے کہ غیر بنیادی مسائل کے اختلافات کے جس رنگ کو مولویوں کا ایک گروہ پختہ کرنا چاہتا تھا صوفیہ کا عام گروہ اس کے مقابلہ میں ہمیشہ اس رنگ کو دھیما اور پھیکا کرنے کی کوشش کرتا رہا کچھ نہیں تو صوفیہ کے گروہ کا مسلمانوں پر یہی ایک احسان کیا کم ہے۔ بہر حال یہ ایک بڑی مفصل اور مبسوط بحث ہے۔ اہل علم کے لئے تو شاید یہ چند اشارے بھی کافی ہو سکتے ہیں لیکن جن کے لئے یہ اشارے ناکافی ہیں، ان کو میری کتاب "تدوین فقہ" کا انتظار کرنا چاہئے کہ ان مسائل کی تفصیل کے لئے وہی کتاب موزوں ہو سکتی ہے امام شافعی کے اصلاحی اقدامات کیا تھے، ان سے بعضوں کو کیا غلط فہمیاں ہوئیں، حضرت امام احمد بن حنبل نے ان غلط فہمیوں کا ازالہ کن تدبیروں سے کیا، ظاہر ہے کہ فقہا اور ائمہ فقہ کے حالات سے ان سوالوں کا حقیقی تعلق ہے ضمناً و تبعاً تدوین حدیث کے سلسلہ میں بھی ان کا ذکر کر دیا گیا۔[1]

---

[1] منقول ہے کہ امام شافعی حجاز سے تعلیم پا کر جب دار الخلافت بغداد پہنچے تو خود ان کا بیان ہے کہ جامع مسجد میں کچھ ایسے حلقوں میں بیٹھنے کے بعد مجھ پر ظاہر ہوا کہ ہر پڑھانے والا اللہ کا نام لیتا ہے اور نہ رسول اللہ کی کسی قول کا جیسا کہ قال الرسول بلکہ ہر ایک قال اصحابنا یعنی ہمارے استادوں نے یوں کہا ہم یہی سنا تا ہے صرف ڈیڑھ سو سال کے اندر (بقیہ حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

بہر حال حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں حدیث کے متعلق جو اہم خدمت انجام پائی وہ یہی تھی اسی حال میں پیغمبر کے دین اور پیغمبر کی امت کو چھوڑ کر آپ اپنے محبوب نبی کے بازو میں جا کر سو گئے آپ کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا زمانہ آتا ہے (اللّٰھم صل علی نبیك وحبیبك وعلی آله وصحبه وخلفائه اجمعین)

عہد فاروقی اور حدیث | آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کوئی غلط بات منسوب نہ ہونے پائے، اس باب میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعض احتیاطی طریقہ عمل کا ذکر عہد صدیقی کے واقعات کی ذیل میں کر چکا ہوں اور کوئی وجہ بھی نہیں ہو سکتی تھی کہ اشدھم فی امر اللہ کی اشدیت دین کے دوسرے شعبوں میں جیسے نمایاں ہے حدیث کا شعبہ بھی اس سے کیوں مستفید نہ ہوتا۔ عدل و انصاف، سیاست و حکومت اور از قبیل دوسرے معاملات میں فاروق اعظم کے بے لاگ فیصلوں کا جیسے لوگ اب تک ذکر کرتے ہیں ہم دیکھتے ہیں کہ حدیث کی تاریخ میں بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے رعب و داب کا وہی اثر ہے ان کے بہت بعد یعنی تقریباً اس وقت جب دوسری صدی ہجری گذر رہی تھی، مشہور محدث حضرت سفیان بن عیینہ کے حالات میں لکھا ہے کہ حدیث کے طلبہ ان کے حلقہ میں جب آتے تو ان کی طرف خطاب کر کے کہتے کہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) دین کے اصل سرچشمہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ سے علماء اسلام کی اس تعلق کو دیکھ کر قفتنا امام میں بر ہمی پیدا ہوئی اور اعلان کیا کہ علماء جن کا حوالہ دیا جاتا ہے ان میں ہر ایک کے تشریحات اور اجتہادی فیصلوں کو میں پھر کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ پر پیش کر کے جانچوں گا آپ نے بغداد میں پہنچ کر حنفی مذہب پر تنقید کی اور مصر جہاں ان کے استاد امام مالک کا مذہب زیادہ عروج پر تھا وہاں پہنچ کر مالکی مذہب پر تنقید فرمائی، امام شافعی کو اس کا اجر ملتا رہے گا کہ ہٹنے کے بعد دین کے حقیقی سرچشموں یعنی کتاب اور سنت کی طرف مسلمان ان ہی کے طرز عمل کی وجہ سے متوجہ رہے ہیں گو فروعی اختلافات کو امام شافعی کی وجہ سے غیر معمولی اہمیت جب حاصل ہو گئی تو امام احمد نے مفاہمت و مصالحت کی راہ کھولی اور ان کی فرق ایک ہی مسئلہ کے مختلف پہلو کے جواز و عدم جواز کا عموماً انتساب کتابوں میں جو کیا جاتا ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ ہر پہلو اس مسئلہ کا ان کے نزدیک شرعی حدود سے باہر نہیں سمجھا جاتا ۱۲

لو ادرکنا و ایاکم عمر لاوجعنا ضربا صـ۱۳۰ جامع ج ۲ — اگر پا لیتے ہمیں اور تمہیں عمر تو مار کر دکھ پہنچاتے

دراصل سفیان کا اشارہ اشدیت کے ان ہی واقعات کی طرف ہے جن کا روایت حدیث کے سلسلہ میں حضرت عمرؓ کی طرف انتساب کیا گیا ہے، اور اس زمانہ میں بعض خاص اغراض کے تحت ان کی کافی تشہیر کی گئی ہے، مثلاً حضرت ابوہریرہ کے شاگرد ابوسلمہ راوی ہیں کہ میں نے ابوہریرہ سے کہا کہ جس آزادی کے ساتھ آج کل آپ حدیثیں بیان کیا کرتے ہیں کیا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں بھی ایسا کر سکتے تھے جواب میں ابوہریرہ نے جو بات کہی تھی یعنی

لو کنت احدث فی زمان عمر مثل ما احدثکم لضربنی بمخفقته الذہبی صـ ج ۱ — اگر عمر کے زمانے میں اسی طرح میں حدیثیں بیان کرتا جیسے تم سے بیان کرتا ہوں تو اپنے کوڑے سے عمر مجھے مارتے۔

اور ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تو صرف اندیشہ ظاہر کیا تھا سعید بن ابراہیم کے حوالہ سے الذہبی ہی نے یہ دوسری روایت درج کی ہے کہ ان کے والد ابراہیم کہتے تھے کہ

ان عمر حبس ثلاثة ابن مسعود وابا الدرداء وابا مسعود الانصاری فقال اکثرتم الحدیث عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم — حضرت عمرؓ نے تین آدمیوں کو روک[1] دیا تھا، ابن مسعود کو ابودرداء کو اور ابومسعود انصاری کو اور ان سے کہا کہ تم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر کر کے بہت زیادہ حدیثیں روایت کیا کرتے ہو،

اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ اندیشہ واقعہ کی صورت بھی بعض لوگوں کے ساتھ اختیار کر چکا تھا یہ اور اسی قسم کی بعض دوسری روایتوں کو درج کر کے حافظ ابن عبدالبر نے اپنی کتاب جامع بیان العلم

---

[1] بعض لوگوں نے حبس کا ترجمہ قید بھی کیا ہے یعنی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان تینوں صحابیوں کو قید کر دیا تھا

میں لکھا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ

"جن لوگوں کو واقعات کا صحیح علم نہیں تھا اور بدعات (نئی باتوں) کے پیدا کرنے کا جن میں زیادہ شوق پایا جاتا تھا سنت (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثوں) سے جن کے قلوب میں گرانیاں تھیں انھوں نے مذکورہ بالا روایتوں سے جو حضرت عمرؓ کی طرف منسوب ہیں، یہ نتیجہ پیدا کرنا چاہا ہے کہ حضرت عمرؓ مسلمانوں کے دین سے حدیثوں کو بالکلیہ خارج کردینا چاہتے تھے" ص۱۲۱ جامع ج ۲

پھر اس غلط نتیجہ کی تردید میں حافظ نے ایک طویل بحث کی ہے اور آخر میں انھوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ بعض لوگوں کو ان روایتوں کی صحت میں بھی شبہ ہے، ابن حزم نے بھی کتاب الاحکام میں حضرت عمرؓ کی طرف اس سلسلہ کے منسوبہ روایات کے راویوں پر جرح کرکے ان روایتوں کو مشتبہ ومشکوک قرار دیا ہے مگر میں کہتا ہوں اور پہلے بھی کہا ہے کہ بجز روایت ہونے کے اعتماد کرنے والوں نے ان ہی روایتوں پر جب اعتماد کیا ہے تو انصاف کی بات یہی ہے کہ ان حدیثوں کو بھی چاہتے تھا کہ یہ لوگ نہ بھولتے جو روایات ہی والی کتابوں میں خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہیں بلکہ یہ واقعہ ہے کہ جن روایتوں سے یہ گروہ فائدہ اٹھانا چاہتا ہے ان کے اسناد کو یعنی جن راویوں سے یہ روایتیں مروی ہیں اور حضرت عمرؓ سے جو حدیثیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جن راویوں کے توسط سے مروی ہیں دونوں میں کوئی نسبت نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ کی یہ حدیثیں عموماً صحاح ستہ بلکہ بخاری اور مسلم میں پائی جاتی ہیں اور جن روایتوں کو مخالفت حدیث میں یہ لوگ پیش کرتے ہیں کم از کم صحاح کی کتابوں میں ان کا تذکرہ نہیں کیا گیا ہے ابن جوزی نے تلقیح میں ان حدیثوں کی تعداد جو حضرت عمرؓ سے مروی ہیں، پانسو سینتیس ۵۳۷ بتائی ہے، فرض کیجئے کہ متون کے ساتھ طرق کو بھی اس میں شمار کرلیا گیا ہو لیکن ابونعیم اصفہانی کے اس بیان میں تو اس شبہ کی بھی گنجائش نہیں ہے ابونعیم حافظ کے اپنے الفاظ یہ ہیں کہ

اسند عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من المتون سوی الطرق مأتی حدیث وسنفا ملف تیغ

یعنی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دو سو سے کچھ اوپر حدیثیں مروی ہیں اس تعداد میں صرف متون کو شمار کیا گیا ہے طرق

(باقی آئندہ)

"مصباح اللغات"

مکمل عربی اُردو ڈکشنری

پچاس ہزار سے زیادہ عربی الفاظ کا جامع و مستند یہ عظیم الشان عربی، اردو لغت اپنی خصوصیتوں کے لحاظ سے بے مثال ہے جہاں تک عربی سے اردو میں لغات کے ترجمے اور تشریح کا تعلق ہے آج تک اس درجہ کی کوئی ڈکشنری وجود میں نہیں آئی، سالہا سال کی عرقریز کوششوں کے بعد بڑی تقطیع کے ایک ہزار سے زیادہ صفحات پر مشتمل یہ عظیم القدر کتاب اصحاب ذوق کی خدمت میں پیش کی جارہی ہے

المنجد جو عربی لغت کی جدید کتابوں میں اسوقت سب سے زیادہ جامع اور دلپذیر سمجھی جاتی ہے **"مصباح اللغات"** میں نہ صرف اس کتاب کا پورا عطر کشید کر لیا گیا ہے بلکہ اس کی ترتیب میں عربی لغت کی بہت سی دوسری بلند پایہ اور ضخیم کتابوں سے بھی اخذ و استنباط کی تمام صلاحیتوں کو کام میں لاکر مدد لی گئی ہے (جیسے قاموس، تاج العروس، اقرب الموارد، جمہرۃ اللغۃ، نہایہ ابن اثیر، مجمع البحار، مفردات امام راغب، کتاب الافعال، منتہی الارب، صُراح وغیرہ)

"مصباح اللغات" علماء، طلباء عربی سے دلچسپی رکھنے والے انگریزی داں، اردو خواں سب کے لئے بے حد مفید ہے اور ایک کامیاب استاد و معلم کا کام دے سکتی ہے۔

عربی مدرسوں، کتب خانوں اور لائبریریوں کے لئے یہ نہایت گراں قدر علمی تحفہ ہے ۱۰۲۸ صفحات سائز ۲۰×۳۰/۸ اور موزوں، جلد خوبصورت اور مضبوط ڈائی سے نام چھپا ہوا مع عمدہ گردپوش قیمت سولہ روپے

مکتبہ برہان اُردو بازار جامع مسجد دہلی ۶